داغ کا خاکہ

(نواب مرزا خان داغ کے چیدہ حالات)

دنیا کے واقعات اور حالات کا مجموعہ ایسا دلچسپ اور ایسا عبرت انگیز ہے کہ اُس کی ہیئت مجموعی اور اس کی انفرادی خصوصیات کو سامنے رکھ کر کسی حال مین کوئی قطعی حکم اور کسی طور پر کوئی غیر متبدل کلیہ قائم نہین کیا جا سکتا۔ کبھی تو اقوام عالم کے شاندار ایام فتح و نصرت اور متموج جذبات ہمہ گیری مین کوئی شاعر نہین پیدا ہوتا اور کوئی کامل فن عالم وجود مین نہین آتا۔ اور کبھی یہ دیکھا جاتا ہے کہ ممالک اقوام۔ اور دول کی انحطاطی کیفیات اور آثار زوال کے ایام یاس فزا مین بڑے بڑے موجد بڑے بڑے قافلہ سالار اور رہنما درجہ ناموری ہستیان گوشۂ گمنامی سے میدان شہرت مین آتی ہین۔ گویا زمانہ بلحاظ حالات و روئداد جہان کے شاعرون۔ مصنفون اور بڑے بڑے پیشواؤن کو پیدا کرتا ہے اور اُن سے کارخانۂ عالم اور بزم ہستی کی زینت و ترقی کا کام لیتا ہے ہان ہندوستان مین جبکہ مسلمانون کی حکومت کا دور آخری شروع ہو چکا تھا اور انحطاط و زوال کے تمامی آثار و قرائن پیدا ہو چکے تھے اردو زبان کی حیات جدیدہ کے سامان مغلیہ جاہ و جلال کے مٹتے ہوئے نشانات مین فراہم ہو رہے تھے اور اُس کی نظم و نثر کی دنیا نئے سرے سے آراستہ کیجا رہی تھی ہر طرف دور ماضیہ کے باقی ماندہ شعرا اور فضلا کی ٹکڑیان جانیوالے زمانہ کے غم اور آنیوالے زمانہ کے طلوع مین جذبات کشاکش اور محسوسات کرب و طرب سے متاثر ہو کر مشاعرے اور انجمنین گرم کر رہی تھین اور قدامت و تجدد دور کی دھندلی روشنیون مین سلطنت کو ہاتھ سے جاتے دیکھ کر زبان اور زبان کے تخیل اعلیٰ مین سوز و گداز کے ساتھ منہمک تھین اسوقت کے بعض شعرا کے کلام مین از مطلع تا مقطع

سوز و گداز کے علاوہ بے ثباتیِ عالم اور بد عہدیِ زمانہ و اہلِ زمانہ کا رونا ہے اور بعض نے
اُس کو بھی ایک ذہنی جذبہ خیال کر کے تصوف اور معرفت میں اپنی زندگی کو صرف کیا۔ مگر
جن شاعروں ہی اور موسیقارِ فطرت نے طبیعتوں کو گرما دیا۔ ولولوں کو ابھار دیا اور زندگی کو
زندگی کے عزوں سے قریب تر کیا وہ نواب مرزا خان داغ المخاطب بہ بلبلِ ہندوستان
جہان استاد ناظم یار جنگ دبیر الدولہ فصیح الملک بہادر تھے۔

پیدائش۔ ۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۲۵ مئی سنہ ۱۸۳۱ء شاہ جہان آباد دلی چاندنی
چوک میں ہوئی۔

خاندان۔ والد کا نام نواب شمس الدین احمد خان۔ بزرگانِ اجداد میں حضرت خواجہ احمد
یسوی کا مقدس نام آتا ہے۔

ابتدائیہ۔ سنہ ۱۲۵۱ھ میں نواب شمس الدین احمد خان کی رحلت کے بعد نواب مرزا خان صاحب
اور اُن کی والدہ کی سرپرستی صاحب عالم مرزا محمد سلطان فتح الملک بہادر کے دربار سے
ہوئی جس کے توسل سے قلعہ شاہی میں مشہور ہونے والے "داغ" کے ایام طفلی آرام
سے گذرے۔ پھر ہندوستان کے نامور لغات نویس مولوی غیاث الدین (مرحوم) صاحب
غیاث اللغات سے رامپور میں فارسی کی کچھ کتابیں پڑھ کر قلعہ شاہی میں مولوی سید
احمد حسین صاحب مرحوم سے کتابیں ختم کیں اور مختلف فنون اور متنوع اکتسابات شاہی
عاطفت کی بدولت حاصل کیے۔ اندنوں قلعہ شاہی شعراء کا جذب گاہ بنا ہوا تھا خصوصاً
شیخ محمد ابراہیم ذوق کی آمد و رفت سے خاص کشش اور دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ اُس نے نواب
مرزا خان صاحب کی جوان طبیعت پر گوناگون اثر کیا اور اُن کی شاعرانہ وجدانی حسیات
میں متلاطم کیفیات رونما ہو گئے یعنے راتیں اشعار کی تنظیم میں اور دن جذبات کی مشاقہ
نوازی میں بسر ہونے لگے۔ لوگوں نے انھیں حضرت ذوق کی شاگردی سے مفتخر کیا
اور نواب مصطفٰے خان شیفتہ مرحوم کے مشاعرہ میں جو پہلی غزل پڑھی اُسکا مطلع یہ تھا۔

شرر و برق نہین شعلہ و سیماب نہین ؎ کس لیے پھر یہ ٹہرتا دل بیتاب نہین

تھوڑے دنون مین نوجوان شاعر نے مشاعرون مین اپنی گرم اور تیز طبیعت کی جانب سب کو متوجہ کر لیا ایک بار جب مشاعرہ مین اس شعر کو پڑھا تو در و دیوار سے واہ واہ ہونے لگی۔

ہوئے مضطر وہ جب آہ میری ذرا اثر دکھی ؎ کیکا اسطرح یارب نہ دنیا مین ہرم نکلے

رامپور۔ زندگی کے دور مین ہمیشہ رد و بدل ہوتا ہے۔ ایک چکر کے بعد دوسرا چکر آتا ہے یعنی ولیعہد بہادر کی وفات حسرت آیات سے نواب مرزا خان صاحب داغ ریاست رامپور گئے اور شرف مصاحبت رئیس کے علاوہ معتمد خاص کارخانجات اصطبل و شترخانہ مقرر ہوئے۔ یہ وہ یادگار زمانہ ریاست رامپور کا تھا جسمین ہر فن اور ہر علم کے ماہر اور استاد دلی کی بساط الٹنے کے بعد دربار رامپور مین جمع ہو گئے تھے خاصکر شعرا مین۔ اسیر۔ بحر۔ قلق۔ امیر مینائی۔ جلال۔ منیر۔ عروج اور تسلیم ایسے مشاہیر کی یکجائی سے شعر و سخن کی بڑی گرم بازاری تھی اور ان مشاعرون مین نواب مرزا خان صاحب داغ کا کلام قدرت اور شہرۂ مستقبل کے لحاظ سے ممتاز طور پر دیکھا اور سنا جاتا تھا۔

کلکتہ۔ یہان اول اول مقبولیت عامہ حاصل ہوئی اور کبھی کبھی عظیم آباد پٹنہ کے مشاعرون مین بھی شرکت کی نوبت آتی تھی۔ مگر کلکتہ مین عموماً مشاہیر کی مخالفت کسی نہ کسی نہج سے ہوتی آئی ہے نواب مرزا خان صاحب داغ نے بھی یہان کے مشاعرون مین جب شرکت کی تو بعض حضرات کی مخالفت کا تلخ تجربہ اٹھایا لیکن کلام کی مقبولیت اور شاعر کے زور سے مجبور ہو کر ایک مخالف صاحب جو مشاعرہ مین موجود تھے جسوقت انھون نے یہ شعر سنا بے اختیار معترف ہو گئے۔

شبنم ہے شب ہجر کی ظلمت نہین جاتی ؎ سو شوب پڑین جب بھی یہ نکہت نہین جاتی

کلکتہ کا سلسلۂ قیام ریاست رامپور کی سرکاری ضرورتون سے تھا جب وہ پوری ہو گئین

لاکھ دینے کا ایک دینا ہے ٭ دل بے مدعا دیا تو نے

کیا بتاؤں کہ کیا لیا میں نے ٭ کیا کہوں میں کہ کیا دیا تو نے

جس قدر میں نے تجھ سے خواہش کی ٭ اس سے مجھکو سوا دیا تو نے

داغ کو کون دینے والا تھا ٭ جو دیا اے خدا دیا تو نے

حقیقت یہ ہے کہ مذکورۂ بالا معارف آگین اشعار کے تکرار و اعادہ سے شاعر کی زندگی اور باطنی محسوسات قدسیہ کی رفعت اور وسعت کا پتہ چلتا ہے جو اسکو غوامض پر پیچ اور اسرار کون و مکان کی باریک بینی کے شواہد سے حاصل ہوئی ہے۔ مگر اس کے بعد جب شاعر کے ان اشعار پر نظر پڑتی ہے تو تقدس اور ترفع جذبات کو سخت مشکل پیش آجاتی ہے۔

ہر ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی ٭ اف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

ہائے وہ دن کہ میسر تھی ہمیں رات نئی ٭ روز معشوق نیا روز ملاقات نئی

نام پاتے ہیں محبت میں جو مٹ جاتے ہیں

جس کے ہونے کا گمان بھی نہ ہو دل ہے وہی

لیکن یہ شاعر کا زور کمال اور امتیازی طرۂ رنگین ہے کہ وہ زندگی کے خوش آیند خوش رو اور خوش انجام مناظر اور کیفیات کا ایسا صحیح اور بولتا ہوا نقشہ کھینچتا ہے کہ وہ محسوسات اور جذبات کے صورت حال یا حسن و عشق کے ناقابل بیان اتصال و انتساب کے مشاہدہ عینی میں بھی وہ لطف نہیں ہوتا یہ شاعر کے وجدانی حیاتی۔ اور ذوقی مناسبتوں کا ادنیٰ ثبوت ہے کہ وہ بجائے درد دکھ ناکامی و محرومی اور بے ثباتی و بے حالی کے زندگی کی ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جو انسان کو عزیز ہیں اور جنسے زندگی زندگی معلوم ہوتی ہے۔ اگر امرء القیس اور لارڈ بائرن کی شاعرانہ حسن آفرینیاں کچھ جگہ دنیا کے میدان جذبات میں رکھتی ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت

داغ نے بھی جذبات کی مرقع کشی جذبات کی تصویرون مین جان ڈالنے اور بھیر
انھین بولتی ہوئی تصویرون مین ادا رحیات فریب دکھانے مین ضرور کمال دکھایا
ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ محبت حسن وعشق اور ہجر ووصال بذاتہٖ بنفسہٖ اور بعینہٖ ایسی
کوئی چیز مین نہین ہین جتنی شاعر کی طبیعت اور گرمی خیال اُن کو دلچسپ اور
ضروری بناتی ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت داغ نے ایک مدت تک اس دنیا پر اپنے
کمال شاعرانہ سے حکومت کی ہے اور ابتک کر رہے ہین جسمین حسن وعشق جس مین
سوز وگداز اور جس مین زندگی کی خوش فکریان سرمایۂ ناز ہین۔

ذاتیات۔ لوگون کو ہر باکمال کی وضع وقطع اور ذاتیات کے معلوم کرنے کا شوق
ہوتا ہے۔ ہم یہان حضرت احسن مارہروی کی زبان مین اسکو لکھنا چاہتے ہین جو
انھون نے ان کی حیات مین تحریر فرمایا تھا۔ مرزا صاحب کی وضع اور لباس
بالکل قدیم طریقے کا ہے گو اس زمانے کے موافق کچھ معمولی ترمیم ہوگئی ہے مثلاً انگرکھے
کی جگہ شیروانی یا بجائے قدیم ٹوپیون کے حیدرآباد کی منصب داری پگڑی یا ترکی
ٹوپی۔ مگر بحیثیت مجموعی یہ وضع ایسی نہین جس پر نئی روشنی کا اطلاق ہوسکے
موجودہ قد وقامت اور صورت وشکل دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ شباب کے زمانے مین آپ خوشرو اور خوش رنگ قوی
جوان تھے۔

شادی۔ پندرہ برس کی عمر مین آپ کی شادی ہوئی حیدرآباد مین تشریف لائے
ہوے آپ کو چودہ پندرہ سال ہوچکے ہین ۱۳۱۵ھ مین آپ کی اہلیہ نے وفات
پائی اور سید یوسف شریف صاحب کی درگاہ مین مدفون ہوئین۔

سفر حج۔ مرزا صاحب نے منجملہ اور سفرون کے نواب خلد آشیان کے ساتھ
سفر حجاز بھی کیا تھا اور زیارت حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً سے

مشرف ہو کر مناسکِ حج و زیارت بھی ادا فرمائے تھے آپ کا مذہب آپ کے اس
مقطع سے معلوم کرنا چاہیے ؎

یہ وہ داغ ہے صحابۂ عظام کا مطیع ؏ یہ داغ جان نثار ہے آلِ رسول کا

کئی بار جیتے جی مرنے کی خبر گرم ہوئی جیسا کہ اکثر مشاہیر کی خبر وفات انکی حیات
میں مشہور ہو جاتی ہے بالآخر ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۵ء) میں بلبل ہندوستان
ہمیشہ کے لیے چپ ہو گیا۔

وفات